Dr. Naseem Abbas
Professor, Department of Urdu,
University of Sargodha

ڈاکٹر نسیم عباس
پروفیسر شعبہ اردو، سرگودھا یونیورسٹی

Dr. Mohammad kioumarsi
Associate Professor,
Department of Urdu
University of Tehran, Iran

ڈاکٹر محمد کیومرثی
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو
یونیورسٹی آف تہران، ایران

تشبیہاتِ منٹو: جمالیاتی قرات اور اشاریہ

Similes in Manto: A Literary Reading and Index

Abstract: This paper analyzes the interpretative and aesthetic dimensions of similes in Saadat Hasan Manto's fiction. In Manto's writing, a simile is not merely a decorative linguistic device but a psychological and symbolic tool that unveils human consciousness, emotions, and social contradictions. He transforms ordinary objects of daily life—such as a brick, a lemon, the sky, a bottle, or a square—into vivid images that reflect inner anguish, fear, and confusion. His physical and emotional similes move beyond external description to reveal the inner turmoil, loneliness, and existential unrest of his characters. In Manto's art, realism, irony, and psychological insight merge seamlessly; each simile becomes a visual and intellectual scene that stirs the reader's emotions. Thus, Manto elevates the simile in Urdu literature from a mere expression of beauty to a profound means of exploring the depths of human existence and consciousness.

Keywords: Manto, Similes, Physical, Emotional, Psychological, Symbolic, Tool

کلیدی الفاظ: منٹو، تشبیہات، سراپا، حسی، نفسیاتی، علامتی کیفیاتی

سعادت حسن منٹو اردو افسانے کا وہ منفرد فنکار ہے جس نے بیسویں صدی کے انسان کے وجودی اضطراب، نفسیاتی پیچیدگی اور سماجی انحطاط کو بے باک حقیقت نگاری کے ساتھ بیان کیا۔ وہ محض افسانہ نگار نہیں بلکہ انسانی شعور، لاشعور اور معاشرتی تضادات کا گہرا محقق ہے۔ منٹو نے اردو ادب کو بیان کی سچائی، اسلوب کی بے ساختگی اور زبان کی داخلی معنویت سے ایک نئی توانائی عطا کی۔ اس کی نثر میں فکری گہرائی اور فنی شعریت ایک ساتھ جلوہ گر ہیں۔ یہی وہ فنی انفرادیت ہے جس نے منٹو کو اردو افسانے میں حقیقت نگاری، نفسیاتی تجزیے اور جمالیاتی اظہار کا امام بنا دیا۔

منٹو کے افسانوں کا ڈکشن سادہ، براہِ راست، اور زندگی کی حقیقی زبان سے قریب تر ہے۔ وہ بناوٹی یا ادبی لفاظی سے گریز کرتے ہیں اور عام بول چال کے الفاظ میں گہری معنویت پیدا کرتے ہیں۔ ان کی زبان میں تلخی، طنز، اور حقیقت کی شدت ایک ساتھ ملتی ہے، جو کرداروں کے طبقاتی پس منظر اور نفسیاتی

کیفیات کو حقیقی رنگ دیتی ہے۔ وہ مختصر جملوں، براہِ راست اظہار اور حقیقت پسندانہ منظر نگاری کے ذریعے قاری کو جھنجھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں طنز، رمز، اور نفسیاتی گہرائی کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ منٹو نے نثر کو شعری حسن، مکالماتی روانی، اور انسانی تجربے کی سچائی سے ہم آہنگ کر کے ایک منفرد فنی شناخت قائم کی۔ ان کا اسلوب بے ساختہ، زندگی سے قریب اور فن کی معراج پر فطری طور پر فائز دکھائی دیتا ہے۔ ان کے افسانوں میں شعری وسائل کا استعمال ان کے نثری اسلوب کو ایک خاص ادبی تہہ اور جمالیاتی گہرائی عطا کرتا ہے۔ وہ تشبیہ، استعارہ، تکرار، تضاد، علامت اور ایجاز جیسے شعری ہتھیاروں کو نثر میں اس مہارت سے برتتے ہیں کہ ان کا افسانہ محض واقعہ نگاری نہیں رہتا بلکہ احساس و تاثر کی ایک زندہ تصویر بن جاتا ہے۔ ان کے جملوں میں صوتی توازن، لفظی چابک دستی اور علامتی ابعاد قاری کو داخلی دنیا کی شدت کا احساس دلاتے ہیں۔ یوں منٹو کی نثر میں ان محاسن کا استعمال محض آرائش نہیں بلکہ معنی آفرینی کا بنیادی وسیلہ بن جاتی ہے۔

منٹو کے اسلوب کا ایک نہایت نمایاں اور منفرد پہلو اس کی تشبیہات کا فنی اور نفسیاتی استعمال ہے۔ وہ روزمرہ زندگی کے بظاہر معمولی مناظر اور عام انسانی تجربات کو اس مہارت سے بیان کرتا ہے کہ قاری کے سامنے زندگی کے تمام رنگ، حرکات، اور کیفیات مجسم ہو کر نمودار ہوتے ہیں۔ منٹو کے یہاں تشبیہات روزمرہ زندگی سے جنم لیتی ہیں مگر ان میں نفسیاتی گہرائی اور سماجی شعور جھلکتا ہے، جیسے کرداروں کی کیفیات کو بیان کرنے میں وہ الفاظ کی شعری موسیقیت سے استفادہ کرتے ہیں۔ منٹو کی تشبیہیں محض ادبی صنعت نہیں بلکہ تجربے، نفسیات اور فن کے گہرے امتزاج کا نتیجہ ہیں۔ وہ انسانی وجود کی تلخ حقیقتوں کو بغیر کسی لفاظی یا رومانوی پردے کے عریاں سچائی کے ساتھ پیش کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی تشبیہیں قاری کو چونکا بھی دیتی ہیں، متفکر بھی بناتی ہیں، اور ان کے ذہن و دل میں دیرپا نقش بھی چھوڑ جاتی ہیں۔

منٹو کی تشبیہاتِ سراپا (یعنی وہ تشبیہیں جو کردار کے جسمانی خدوخال، حرکات و سکنات اور ظاہری تاثر سے متعلق ہوں) اس کے فنی اسلوب کا بنیادی اور علامتی جزو ہیں۔ منٹو کے ہاں سراپا محض جسمانی تصویر نہیں بلکہ کردار کے باطنی تجربات، جذباتی اضطراب، طبقاتی شعور، اور نفسیاتی کیفیت کا استعارہ بن جاتا ہے۔ اس طرح سراپا کردار کی اندرونی اور بیرونی دونوں جہتوں کا نمائندہ بن جاتا ہے، اور قاری محض چہرہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے چھپے ہوئے وجود کو محسوس کرتا ہے۔ اس کی تشبیہیں بناؤ سنگھار، مصنوعی نرمی یا مبالغہ آرائی سے خالی ہوتی ہیں۔ منٹو نے عورت یا مرد کے سراپے کو مثالی حسن کے سانچے میں نہیں ڈھالا بلکہ حقیقت کے قریب بیان کیا ہے۔ عورت کے سراپے میں علامتی گہرائی ان کی تشبیہات کا منظر نامہ بن جاتی ہیں۔ عورت کا جسم ان کے ہاں محض زیبائش نہیں، بلکہ سماجی اور وجودی علامت ہے۔ یہ تشبیہیں عورت کے استحصال، کشمکش اور انسانیت کو اجاگر کرتی ہیں۔

منٹو کے ہاں سراپے کی تشبیہ محض جمالیاتی تاثر پیدا کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ نفسیاتی اور سماجی معنویت سے بھرپور فنی اظہار ہے۔ وہ اکثر سراپے کو متضاد یا غیر روایتی اشیا سے تشبیہ دیتا ہے تاکہ کردار کے اندرونی اضطراب، جبر یا احساسِ محرومی کو ظاہر کیا جا سکے۔ منٹو سراپے کے بیان میں دیکھنے، چھونے، محسوس کرنے، اور بعض اوقات سننے کی حسوں کو یکجا کر کے انسانی وجود کا ایک ہمہ جہتی تجربہ خلق کرتا ہے۔

"اس کے سرخی لگے ہونٹوں پر جو اس کے سفید ٹھنڈے چہرے پر ایک دہکتا ہوا انگارہ سے لگتے تھے۔"(۱) یہاں رنگوں کا تضاد (سفیدی اور سرخی) جذبات اور معصومیت، حرارت اور برودت، کشش اور اضطراب کی دوہری کیفیت کو آشکار کرتا ہے۔ منٹو کی تشبیہاتِ سراپا جسم کو محض حسن کا استعارہ نہیں بناتیں بلکہ اسے ایک نفسیاتی و سماجی متن میں ڈھال دیتی ہیں، جہاں جسم انسانی وجود، جبر، جذبہ اور شناخت کے درمیان کشمکش کا جیتا جاگتا استعارہ بن

جاتا ہے۔"ان میموں میں سے ایک جس کا چہرہ سرخی لگانے کے باعث زیادہ پکی ہوئی اینٹ کی سی رنگت اختیار کر گیا تھا۔"(۲) یہ تشبیہ حسی یا تشبیہ مفرد ہے، کیونکہ یہاں صرف چہرے کے رنگ کو پکی ہوئی اینٹ سے تشبیہ دی گئی ہے۔" پکی ہوئی اینٹ" کی مثال چہرے کی سختی اور غیر فطری سرخی کو نمایاں کرتی ہے، جس سے منظر میں طنز اور حقیقت دونوں جھلکتے ہیں۔"بڑی خوفناک عورت تھی اس کا منہ کچھ اس انداز سے کھلتا تھا جیسے لیموں نچوڑنے والی مشین کا کھلتا ہے۔"(۳)اس تشبیہ کے ذریعے عورت کی سخت مزاجی اور اس کے چہرے کی حرکات میں موجود وحشت کو طنزیہ طور پر نمایاں کیا ہے۔

اسی طرح منٹو کی تشبیہاتِ کیفیات اس کی تخلیقی نفسیات کا روشن حوالہ ہیں۔ یہ تشبیہیں احساس کو بصری تجربہ بنا دیتی ہیں اور جذبات کو تصویری پیکر میں ڈھال دیتی ہیں۔ ان کے ذریعے قاری نہ صرف کردار کی خارجی کیفیت بلکہ اس کے ذہنی اور جذباتی جہان میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔ منٹو کے ہاں تشبیہ، بیان کی آرائش نہیں بلکہ نفسیاتی تجزیے اور باطنی انکشاف کا ذریعہ ہے، جہاں ہر علامت، ہر منظر اور ہر صوت کردار کے ذہنی پس منظر اور لاشعوری اضطراب کی عکاس بن جاتی ہے۔

طاہرہ اقبال، منٹو کی تشبیہات کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> "منٹو کی ہر کہانی ایسی پر معنی تشبیہات سے مملو ہے۔ منٹو ان تشبیہات سے کئی کام لیتے ہیں، کبھی تو وہ سیدھے سادے انداز میں کسی شخص کی کوئی کیفیت یا جذباتی حالت یا کسی شئے کی ظاہری ہیئت بیان کرنے کے لیے تشبیہات لاتے ہیں۔ کبھی خیال، کردار یا منظر کی پیچیدگی کے حل کی خاطر موزوں تشبیہات استعمال کرتے ہیں۔"(۴)

منٹو کی کرداروں کی کیفیات سے متعلق تشبیہات اس کے فن کا سب سے گہرا، حقیقت پسندانہ اور علامتی پہلو ہیں۔ یہ وہ تشبیہیں ہیں جن کے ذریعے وہ کردار کے اندر کی دنیا — جذبات، احساسات، خوف، نفرت، محبت، جرم، ندامت اور تنہائی کو مجسم کر دیتا ہے۔ وہ تشبیہات کے ذریعے باطنی کیفیت کو خارجی شے کے ساتھ بھی جوڑ دیتے ہیں۔ منٹو اندرونی احساس کو کسی دیکھی، چھوئی یا سنی ہوئی چیز کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے، تاکہ قاری کردار کے اندر اتر سکے۔ وہ نفسیاتی کیفیت کو مادی شے میں ڈھال دیتا ہے۔

"لوہے کا وہ بھاری بھرکم ٹکڑا لاش کا سا سرد اور کسی وحشت ناک خواب کی طرح تاریک، بازار کے ایک کونے میں بھیانک دیو کی مانند اکڑا ہوا تھا۔"(۵) یہ تشبیہ مرکب یا تشبیہ تمثیل ہے، کیونکہ یہاں ایک پورا منظر یا کیفیت کسی دوسری کیفیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یعنی لوہے کے بھاری ٹکڑے کو لاش اور بھیانک خواب سے تشبیہ دے کر ایک گہری نفسیاتی اور بصری فضا پیدا کی گئی ہے۔ یہ تشبیہ خوف، جمود اور دہشت کے احساس کو ظاہر کرتی ہے اور منظر کو علامتی اور اثر انگیز بنا دیتی ہے۔ منٹو کے کردار عموماً ذہنی خلفشار، احساسِ جرم، ندامت یا وجودی بے یقینی کے شکنجے میں جکڑے ہوتے ہیں، اور ان کے ان باطنی تجربات کے اظہار کے لیے وہ پگھلنے، ٹوٹنے، بہنے، جلنے، یا لرزنے جیسی متحرک اور حسّی تشبیہیں استعمال کرتا ہے۔"آسمان ہم پر مرتبان کے ڈھکنے کی طرح جھکا ہوا تھا اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ ہم کسی بند بوتل میں چل پھر رہے ہیں۔"(٦) اس تشبیہ کے ذریعے گھٹن، قید اور بے بسی کے احساس کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔" بند بوتل" کا استعارہ فضا کی بندش اور انسانی اضطراب کی کیفیت کو نمایاں کرتا ہے، جس سے منظر میں نفسیاتی گہرائی

پیدا ہوتی ہے۔ منٹو کے ہاں ایسی تشبیہیں کردار کے ذہنی و جذباتی اضطراب کو جسمانی حرکات اور بصری تصویروں کے ذریعے ظاہر کرتی ہیں، جس سے ان کے لاشعور کی بے قراری اور وجودی شکستگی ایک محسوس حقیقت بن کر سامنے آتی ہے۔

منٹو احساس کو اس شدت سے بیان کرتا ہے کہ وہ محض لفظ نہیں رہتا بلکہ جسمانی تجربہ بن جاتا ہے۔ درد، خوف، شرم اور محبت جیسے جذبات اس کی تحریر میں محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے کردار سماجی اور اخلاقی جبر کے زیرِ اثر گھٹن میں سانس لیتے ہیں، اور منٹو ان کی داخلی کیفیات کو روزمرہ یا قدرتی مناظر سے اس طرح جوڑ دیتا ہے کہ احساس حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے۔ وہ دکھ کو ''دھواں''، غصے کو ''لاوا''، محبت کو ''چنگاری''، اور تنہائی کو ''خالی کمرہ'' بنا دیتا ہے۔ اس کے استعارے اور تشبیہیں عام مگر پُراثر اشیا سے جڑی ہوتی ہیں — بوسیدہ، ٹوٹی ہوئی اور بے رنگ چیزوں سے — جو انسان کی اندرونی ٹوٹ پھوٹ اور معاشرتی زوال کی علامت بن جاتی ہیں۔ "دکھ ایک ایسا چوک ہے جو اپنے ارد گرد لاکھوں بلکہ کروڑوں سڑکوں کا جال بن دیتا ہے۔"(۷) اس تشبیہ کے ذریعے دکھ کی وسعت، پھیلاؤ اور لاانتہاء اثر پذیری کو مجسم کر کے دکھایا گیا ہے۔ " چوک" اور "سڑکوں کا جال" دکھ کے مرکز اور اس سے پھوٹنے والے احساسات کی علامت ہیں، جو انسانی ذہن میں اس کے اثرات کی گہرائی کو نمایاں کرتے ہیں۔

منٹو کی تشبیہات میں نفسیاتی شعور ایک بنیادی اور مرکزی فنی عنصر کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ وہ کرداروں کے ظاہری اعمال یا خارجی واقعات سے زیادہ ان کے باطن، احساسِ جرم، خوف، ندامت، خواہش اور لاشعوری اضطراب کو دریافت کرتا ہے۔ منٹو کے ہاں تشبیہ محض بیانیہ حسن نہیں بلکہ ایک نفسیاتی آلہ بن جاتی ہے جو کردار کے لاشعور کی ترجمان اور اس کی داخلی کیفیات کی علامتی تعبیر فراہم کرتی ہے۔ وہ انسانی احساسات کو جسمانی اور بصری تجربات میں ڈھال کر قاری کو کردار کے اندرونی کرب سے ہم آہنگ کر دیتا ہے۔ منٹو کے ہاں تشبیہ اکثر متضاد جذبات کی عکاس ہوتی ہے — محبت میں نفرت، خوشی میں دکھ، یا امید میں مایوسی — جو انسانی نفسیات کی پیچیدگی اور دوہریت کو منکشف کرتی ہے۔

منٹو کی تشبیہات قاری کو محض تماشائی نہیں بلکہ کردار کے باطن کا ناظر بنا دیتی ہیں۔ ان کے ہاں تشبیہ منظر نگاری سے آگے بڑھ کر کردار کی ذہنی و نفسیاتی کیفیت کی عکاس بن جاتی ہے۔ منٹو نفسیاتی تشبیہ کے ذریعے خوف، اضطراب، غصے یا بے بسی جیسے باطنی احساسات کو بصری اور محسوس تجربے میں بدل دیتا ہے۔ منٹو کے ہاں تشبیہ ظاہری مشابہت کا نہیں بلکہ اندرونی احساس کے اظہار کا وسیلہ ہے، جو لاشعور کی تصویری ترجمانی کرتی ہے۔ وہ کردار کے پوشیدہ خوف، احساسِ جرم، یا جنسی جبر کو مادی یا فطری مناظر کے استعاروں میں سمو کر ان کے اندرونی طوفان کو ظاہر کر دیتا ہے۔ یوں منٹو کی تشبیہات انسانی لاشعور کی جمالیاتی اور نفسیاتی تفہیم کا موثر فنی وسیلہ بن جاتی ہیں۔

منٹو کے نفسیاتی شعور کی اصل خوبی یہی ہے کہ وہ جذبے کو محض ذہنی عمل نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے جسمانی اور حسی تجربے میں بدل دیتا ہے۔ اس کے کردار صرف سوچتے نہیں، بلکہ اپنے احساسات کو محسوس کرتے اور جیتے ہیں۔ چونکہ ان میں سے اکثر سماجی یا جنسی جبر کے دباؤ میں ہیں، اس لیے ان کی تشبیہیں عموماً دھند، اندھیرے، دھوئیں، بوجھ، ٹھنڈک اور لرزش جیسے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہیں، جو لاشعوری خوف اور دبی ہوئی خواہشات کی علامت بنتی ہیں۔ منٹو کردار کو اس کے شعور اور لاشعور کی سرحد تک لے جاتا ہے، جہاں عقل اور جذبہ، ہوش اور بے خودی ایک دوسرے میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اس کی

بعض تشبیہیں فرائیڈی لاشعور کی یاد دلاتی ہیں، جہاں جنس، احساسِ گناہ اور دباہوا جذبہ علامتی صورت میں ابھرتا ہے۔ منٹو کی تشبیہ اکثر وہ لمحہ تخلیق کرتی ہے جہاں کردار اپنی اندرونی سچائی سے واقف ہوتا ہے — ایک ایسا لمحہ جو خود شناسی اور وجودی انکشاف کا احساس پیدا کرتا ہے۔

منٹو نے اردو فکشن میں تشبیہ کو محض صنعتِ بیان یا جمالیاتی آرائش کے درجے سے بلند کر کے اسے نفسیاتی فہم، وجودی شعور اور انسانی باطن کے انکشاف کا ایک مؤثر اور تخلیقی وسیلہ بنا دیا۔ یہی اس کے فن اور اس کی تخلیقی انفرادیت کا نمایاں مظہر ہے۔ منٹو کے ہاں تشبیہات کی نوعیت متنوع اور ہمہ جہت ہے — وہ حرکی، صوتی، لمسی، بصری، اخلاقی، علامتی، اور نفسیاتی تشبیہوں کو اس مہارت سے برتتا ہے کہ قاری نہ صرف منظر دیکھتا ہے بلکہ اسے محسوس بھی کرتا ہے۔ اس کی تشبیہیں حسی و محسوس تجربے میں ڈھلی ہوئی ہیں جو قاری کے تمام حواس کو بیدار کر دیتی ہیں — دیکھنے، سننے، چھونے، سونگھنے اور محسوس کرنے کی سطحوں پر۔ منٹو کے یہاں تشبیہ ایک زندہ تجربہ بن جاتی ہے، جو کردار کے اندرونی احساس، نفسیاتی اضطراب اور انسانی وجود کی پیچیدگی کو ایک مجسم اور جیتی جاگتی صورت میں پیش کرتی ہے۔

"وہ مجھ سے باتیں کرتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا کہ وہ دیہاتی دوشیزہ ہے جس نے پہلی دفعہ کوئی عشقیہ فلم دیکھی ہے۔"(۸) اس کے ذریعے ایک نفسیاتی کیفیت کو بصری منظر میں ڈھال کر کردار کی سادگی اور جذباتی نرمی کو مؤثر انداز میں ظاہر کیا ہے۔ منٹو عام اور روایتی ادبی تشبیہات سے گریز کرتے ہوئے چونکانے والی، تلخ مگر حقیقت آفرین تشبیہیں تخلیق کرتا ہے، جو زندگی کی ننگی سچائی کو بے نقاب کرتی ہیں۔ اس کے ہاں مجاز اور حقیقت کے درمیان کوئی واضح حد فاصل باقی نہیں رہتی؛ دونوں ایک دوسرے میں مدغم ہو کر انسانی تجربے کی تہہ دار معنویت پیدا کرتے ہیں۔ منٹو کی تصویری تشبیہیں حرکی نوعیت رکھتی ہیں۔ ان میں سکون کے بجائے حرکت، ردّ عمل اور نفسیاتی ارتعاش پایا جاتا ہے۔ چونکہ وہ فلمی منظر نامہ نگاری سے وابستہ رہا، اس کی تشبیہیں اکثر فلمی فریم کی طرح بصری اور متحرک معلوم ہوتی ہیں، جہاں ہر منظر جذبات کے بہاؤ اور کردار کے باطن کی تصویر کشی کرتا ہے۔ منٹو کی تشبیہیں اکثر محض منظر نگاری نہیں کرتیں بلکہ علامتی سطح پر کسی بڑی حقیقت یا فلسفیانہ احساس کی نمائندگی بھی کرتی ہیں۔

اس حوالے سے سید وقار عظیم لکھتے ہیں۔

> "منٹو کی تشبیہوں کا یہ امتیاز ہے کہ ان مین سے کوئی زندگی کی تڑپ اور تیزی سے خالی نہیں۔ ہر تشبیہ کے پیچھے ایک مکمل اور واضح تصویر چھپی ہوئی ہے۔ جسے منٹو کی فنی چابک دستی اس طرح برمحل استعمال کرتی ہے کہ پڑھنے والا اس تصویر کا پورا تاثر قبول کرتا ہے اور وہی ذہنی اور جذباتی نتائج اخذ کرتا ہے جو افسانہ نگار کے ذہن میں ہیں۔"(۹)

منٹو کے ہاں تشبیہیں محض جمالیاتی نہیں بلکہ سماجی و طبقاتی شعور سے گہری جڑی ہوئی ہیں۔ چونکہ اس کے کردار زیادہ تر متوسط یا نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے اس کی تشبیہوں کا مواد بھی روزمرہ اشیاء صابون، کپڑا، گھی، موم، دھواں، کیچڑ، پسینہ اور مٹی — سے اخذ ہوتا ہے۔ ''اس کے چہرے پر مٹی کی تہہ جمی تھی جیسے کسی مجسمے کو ادھورا چھوڑ دیا گیا ہو'' جیسی تشبیہ نہ صرف غربت، مشقت اور طبقاتی استحصال کو ظاہر کرتی ہے بلکہ عورت کی نظرانداز

شناخت، سماجی ناہمواری اور وجودی ادھورے پن کی علامت بھی بن جاتی ہے۔ یوں منٹو اپنی تشبیہوں کے ذریعے فنی اظہار، سماجی حقیقت اور نفسیاتی معنی کو ایک ہی تخلیقی پیکر میں یکجا کر دیتا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو منٹو کی تشبیہات اس کے فکشن کے فکری، جمالیاتی اور نفسیاتی ڈھانچے کی اساس ہیں۔ وہ تشبیہ کو محض اظہارِ خیال کا فنی حربہ نہیں بناتا بلکہ اسے انسانی تجربے، شعور اور لاشعور کے انکشاف کا ذریعہ بناتا ہے۔ اس کی تشبیہیں زندگی کے ظاہر اور باطن، جسم اور روح، حقیقت اور مجاز، سماج اور فرد کے درمیان ایک تخلیقی ربط پیدا کرتی ہیں۔ منٹو کے ہاں ہر تشبیہ ایک نفسیاتی علامت، سماجی دستاویز اور جمالیاتی تجربہ بن کر ابھرتی ہے۔ وہ انسانی احساس کو بصری، صوتی اور لمسی سطح پر اس طرح برتتا ہے کہ قاری نہ صرف کردار کے کرب اور وجودی تنہائی کو محسوس کرتا ہے بلکہ اس کے پسِ منظر میں چھپے سماجی جبر اور اخلاقی تضادات کو بھی دیکھ لیتا ہے۔ منٹو نے اردو فکشن میں تشبیہ کو معنی آفرینی، باطنی انکشاف اور فنی صداقت کا ایسا وسیلہ بنایا جو محض بیان کا حُسن نہیں بلکہ انسانی حقیقت کی تہہ در تہہ تفہیم بن گیا۔ یہی اس کی نثر کی وہ تخلیقی قوت ہے جو منٹو کو محض افسانہ نگار نہیں بلکہ انسانی تجربے کا نفسیاتی مورخ اور علامتی فنکار ثابت کرتی ہے۔

اشاریہ تشبیہات منٹو

افسانوی مجموعہ: آتش پارے (لاہور: اردو بک سٹال، ۱۹۳۶ء)

افسانہ: خونی تھوک

☆ تہذیب کس بلا کا نام ہے، انسانیت کے سر دلوہے پر جما ہوا زنگ۔
☆ پندرہ مزدور کارخانے میں آگ لگ جانے کی وجہ سے جلے ہوئے کاغذ کی مانند راکھ ہو گئے۔

انقلاب پسند

☆ تقریر کے دوران میں سحر زدہ آدمی کی طرح چپ چاپ بیٹھا اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ جو بارش کی طرح برس رہے تھے بغور سنتا رہا۔

جی آیا صاحب

☆ دھوئیں سے اٹی ہوئی دیواریں ہیبت ناک دیووں کی طرح انگڑائیاں لیتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔
☆ یہ سور کی طرح یہاں بے ہوش پڑا ہے۔
☆ یکایک اس ظلمت میں ایک سرخ آفتاب نمودار ہوا جس کی کرنیں خون آشام برچھیوں کی طرح ہر برتن کے سینے میں گھس گئیں۔
☆ سیروں خون پانی کی طرح بہہ گیا۔ یہ دیکھ کر قاسم کا رنگ کاغذ کی مانند سپید ہو گیا۔

ماہی گیر

☆ باہر آسمان پر کالے بادل مہیب ڈائنوں کی صورت میں اپنے سیاہ بال پریشان کیے چکر کاٹ رہے تھے۔

☆ بارش کاجل کی طرح تمام فضا پر برس رہی تھی۔

☆ کمزور دروازہ کسی نامعلوم خوف کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

☆ بارش کے قطرے بڑے بڑے انسوؤں کی صورت میں سیاہ زمین کو تر کر رہے تھے۔

☆ آج رات تو سمندر قزاقوں کے گروہ کی مانند تھا۔

☆ لہریں بجلی کی طرح کڑک رہی تھیں۔

☆ دو بچے صبح کی طرح مسکرا رہے تھے۔

تماشا

☆ دو تین روز سے طیارے سیاہ وعقابوں کی طرح پر پھیلائے خاموش فضا میں منڈلا رہے تھے جیسے وہ کسی شکار کی جستجو میں ہوں۔

☆ طیاروں کا شور بلند ہوا، وہ سہم گیا۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے سینکڑوں انسان ہم آہنگ آواز میں درد کی شدت سے کراہ رہے ہیں۔

☆ ایک جہاز سے کوئی چیز گری جو کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے مشابہ تھی۔ گرتے ہی یہ ٹکڑے ہوا میں پتنگوں کی طرح اڑنے لگے۔

☆ یہ آواز سنتے ہی خالد کے باپ کے چہرے کا رنگ کاغذ کی طرح سفید ہو گیا۔

☆ گولی کا نام سنتے ہی اسے ایسا معلوم ہوا جیسے خود اس کی چھاتی سے گولی اتر رہی ہے۔

طاقت کا امتحان

☆ کمرے کی تمام اشیاء کسی گہری فکر میں غرق ہو گئی جیسے انھیں کسی غیر معمولی حادثے کا خوف ہو۔

☆ لوہے کا وہ بھاری بھر کم ٹکڑا لاش کا سا سرد اور کسی وحشت ناک خواب کی طرح تاریک، بازار کے ایک کونے میں بھیانک دیو کی مانند اکڑا ہوا تھا۔

دیوانہ شاعر

☆ یہ بے باک نغمہ درد کی طرح اٹھا۔

☆ سامنے سپیدے کے دو درخت ہیبت ناک دیووں کی طرح انگڑائیاں لے رہے تھے۔

☆ آہ یہ سب کچھ خوفناک حقیقت ہے۔ کسی صحرا میں جنگلی انسان کے پیروں کے نشانات کی طرح خوفناک۔

☆ اس کا ہر لفظ ہتھوڑے کی اس ضرب کی مانند تھا جو سرخ لوہے پر پڑ کر اس کی شکل تبدیل کر رہا ہو۔

چوری

☆کوٹھڑی کے باہر رات سیاہ زلفیں بکھیرے روشنی کی طرف اپنی تاریک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔
☆اس وقت وہ ایک بے عقل بچے کی مانند ہوتا ہے جو اپنی طبیعت خوش کرنے کے لیے یا شوق پورا کرنے کے لیے چلتی ہوئی آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔
☆سینکڑوں خیالات پتھروں کی طرح میرے دماغ کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر مختلف قسم کی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔

افسانوی مجموعہ: منٹو کے افسانے (دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۰ء)

نیا قانون

☆وہ کہا کرتا تھا کہ ان کے لال جھریوں بھرے چہرے دیکھ کر مجھے وہ لاش یاد آجاتی ہے جس کے جسم پر سے اوپر کی جھلی گل گل کر جھڑ رہی ہو۔
☆اس نے ان مارواڑیوں کو گالی دی۔۔۔۔غریبوں کی کھٹیا میں گھسے ہوئے کھٹمل۔
☆نیا قانون ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا۔
☆کئی تنگ اور کھلے بازاروں کا چکر لگایا مگر اسے ہر چیز پرانی نظر آئی—آسمان کی طرح پرانی
☆صاحب بہادر کہتے وقت اس کا اوپر کا مونچھوں بھرا ہونٹ نیچے کی طرف کھنچ گیا اور پاس ہی کے گال کے اس طرف جو مدہم سی لکیر ناک کے نتھنے سے
☆ٹھوڑی کے بالائی حصے تک چلی آرہی تھی ایک لرزش کے ساتھ گہری ہو گئی۔ گویا کسی نے نوکیلے چاقو سے شیشم کی سانولی لکڑی میں دھاری ڈال دی ہے۔

ٹیڑھی لکیر

☆اس کا چہرہ بچوں کے مانند ایک ناقابل بیان خوشی کے باعث تمتمایا ہوا تھا۔
☆سیب کے اس بھرے ہوئے ہاتھوں کو بچوں کے مانند اپنی پتلون سے صاف کر کے اس نے میرا ہاتھ بڑے جوش سے دبایا۔
☆میں نے لٹو کی طرف دیکھا جو میرے سر کی مانند گھوم رہا تھا۔
☆اس نے میری طرف کچھ اس انداز سے دیکھا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے ایک ننھا منا بچہ رونی صورت بنا رہا ہے میں نے تو کوئی بری بات نہیں کی۔
☆ٹیکہ لگوانے سے جو بخار چڑھتا ہے اس میں کتنی شاعری ہوتی ہے جب جوڑ جوڑ میں درد ہوتا ہے اور اعضا شکنی ہوتی ہے تو بخدا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم
☆کسی نہایت ہی ضدی آدمی کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہو اور پھر بخار بڑھ جانے سے جو خواب آتے ہیں واللہ کس قدر بے ربط ہوتے ہیں، بالکل ہماری زندگی کے مانند۔
☆یہ ایک وقتی اور ہنگامی جذبہ تھا جو ہوا کے ایک تیز جھونکے کے مانند آیا اور گزر گیا۔
☆میں اور وہ اپنے وطن سے بہت دور تھے۔ایک ایسے بڑے شہر میں جہاں زندگی تاریک قبر سی معلوم ہوتی ہے۔
☆ایک جگہ سے خود کو چپکا دینا ایسے ہی ہے جیسے ایک آزادی پسند سانڈ کو کھونٹے سے باندھ دیا جائے۔

☆ناک جو چند روز پہلے بھدی نیام کے اندر چھپی ہوئی تلوار کا نقشہ پیش کرتی تھی۔

خوشیا

☆کانتا کا ننگا جسم موم کے پتلے کی مانند اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑا تھا اور پگھل کر اس کے اندر جا رہا تھا۔

☆اس وقت بھی وہ کانتا کے ننگے جسم کو دیکھ رہا تھا جو ڈھولکی پر منڈھے ہوئے چمڑے کی طرح تنا ہوا تھا۔

☆سانولے پتھر کی مورتی کے مانند کھڑی رہی جو احساس سے عاری ہوتی ہے۔

☆اس کے تنگ ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں نمودار ہو گئیں تھیں جیسے ململ میں پنیر کو آہستہ سے دبا دیا گیا ہے۔

☆خوشیا کو یہ نظارہ دیکھ کر ایسے محسوس ہوا تھا جیسے چھلکا اس کے ہاتھ میں رہ گیا ہے اور کیلے کا گودا پرچ کر کے اس کے سامنے آ گرا ہے۔

بانجھ

☆سورج کی آخری کرنیں سمندر کی ان دور دراز لہروں کے پیچھے غائب ہو چکی تھیں وہ ساحل کے بینچ پر بیٹھ کر دیکھنے سے موٹے کپڑے کی تہہ معلوم ہوتی تھیں۔

☆ بڑی بڑی لہریں آہستہ آہستہ اٹھ رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بہت بڑا گدلے رنگ کا قالین ہے جسے ادھر سے ادھر سمیٹا جا رہا ہے۔

☆ کبھی کبھی کسی آنے یا جانے والی موٹر کے ہارن کی آواز بلند ہوتی اور یوں معلوم ہوتا کہ بڑی دلچسپ کہانی سننے کے دوران میں کسی نے زور سے 'ہوں' کی ہے۔

☆اس کی ناک آنکھوں اور منہ کے خطوط اس قدر مدہم تھے جیسے کسی نے تصویر بنائی ہے اور اس کو پانی سے دھو ڈالا ہے۔

☆ کبھی کبھی اس کی طرف دیکھتے دیکھتے اس کے ہونٹ ابھرسے آتے لیکن پھر راکھ میں لپٹی ہوئی چنگاری کی مانند ہو جاتے۔

☆آنکھیں گدلے پانی کی دو بڑی بڑی بوندیں تھیں جن پر اس کی چھدری پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔

☆بال کالے تھے مگر ان کی سیاہی جلے ہوئے کاغذ کی مانند تھی۔

☆اس سے آگے کچھ کہنا چاہا مگر نہ کہہ سکا اور جلتی ہوئی رسی کی طرح آخری بل کھا کر خاموش ہو گیا۔

☆جس طرح بچے پیدا ہونے کی صورت ہمیشہ ہی ایک سی چلی آ رہی ہے اسی طرح محبت کی پیدائش بھی ایک ہی طریقے پر ہوتی ہے۔

☆جس طرح بعض بچے وقت سے پہلے پیدا ہوتے ہیں اور کمزور رہتے ہیں اسی طرح وہ محبت بھی کمزور رہتی ہے جو وقت سے پہلے جنم لے۔

☆اس کا رنگ اور بھی زرد پڑ گیا جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

☆تھکے ہوئے مسافر کی طرح سیر کرنے والوں کا ہجوم زیادہ تھا۔

☆جب دونوں تیزی سے بولنا شروع کر دیتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے طوطے مینا کی لڑائی ہو رہی ہے۔

اس کا پتی

☆اس کے سر کا درمیانی حصہ بالوں سے بالکل بے نیاز ہو گیا ہے اگر اس کا سر ہر روز دھویا جاتا تو یہ حصہ ضرور چمکتا مگر میل کی زیادتی کی وجہ سے اس کی حالت بالکل اس توے کی سی ہو گئی ہے جس پر ہر روز روٹیاں پکائی جائیں مگر اسے صاف نہ کیا جائے۔

☆سب کے چہرے کچی اینٹوں کی مانند پیلے تھے۔

☆روپا کی ماں طاقچے میں رکھی ہوئی مورتی کی مانند گونگی بنی ہوئی تھی۔

☆میلے کچیلے کپڑوں میں اندھیرے کے اندر وہ گیلی مٹی کا ایک ڈھیر سا دکھائی دے رہی تھی۔

☆وہ جاڑے اور گرمیوں کے درمیانی موسم کی طرح متغیر تھا۔

☆اپنی زندگی کو گیند کی مانند اچھال رہا تھا۔

☆عورت میں وہ جوانی کو اتنا ہی ضروری خیال کرتا تھا جتنا اپنے ٹینس کھیلنے والے ریکٹ میں بنے ہوئے جال کے اندر تناؤ کو۔

☆وہ کسی قدر ہموار تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شفاف پانی کی چھوٹی سی جھیل ہے۔

بیگو

☆میرے دونوں پھیپھڑے خانہ زنبور کی طرح مشک ہو چکے ہیں۔

☆سبز لباس میں ملبوس وہ سڑک کے درمیان مکئی کا ایک دراز قد بوٹا معلوم ہوتی تھی۔

☆اس نے ایک تیز تجسس سے میری طرف دیکھا جیسے وہ کسی. بھولے ہوئے خواب کو یاد کر رہی ہے۔

☆اس کا سینہ چشمے کے پانی کی طرح دھڑک رہا تھا۔

☆مجھے کسی خاص بات کا اظہار کرنے پر تیار دیکھ کر اس نے جنگلی بلی کی طرح میری طرف گھور کر دیکھا۔

☆مجھے خاموش دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی جیسے چشمے کے پانی میں کسی نے اپنے مٹی بھرے ہاتھ دھو دیے ہیں۔

☆اس نے تھکی ہوئی ہرنی کی طرح میری طرف دیکھا۔

دس روپے

☆ان پنڈلیوں پر جو بالوں سے بالکل بے نیاز تھی، مساموں کے ننھے ننھے نشان دیکھ کر ان سنگتروں کے چھلکے یاد آجاتے تھے جن کے چھوٹے چھوٹے خلیوں میں تیل بھرا ہوتا ہے اور جو تھوڑے سے دباؤ پر فوارے کی طرح اوپر اٹھ کر آنکھوں میں گھس جایا کرتا ہے۔

☆ایک موٹے کوڑے کی مانند اس کی موٹی پیٹھ کو تھپکتی رہتی تھی۔

☆یہ باتیں سن کر ایسے لگا تھا جیسے اس کے سارے جسم کے اندر ننھے ننھے گھنگرو بج رہے ہیں۔

☆موٹر کی سیر کا خیال اس کے دماغ میں پرندوں کی کسی پھڑ پھڑاہٹیں پیدا کر رہا تھا۔

☆شوخ رنگ کی نیلی ساڑھی میں ہونٹوں پر بے ترتیبی سے سرخی کی دھڑی جمائے اور سانولے گالوں پر پیازی رنگ کا پاؤڈر ملے وہ مٹی کا ایک ایسا کھلونا معلوم ہوئی جو دیوالی پر کھلونے بیچنے والوں کی دکان میں سب سے زیادہ نمایاں دکھائی دیا کرتا ہے۔

☆سریتا کے بال جو اس کی چوٹی کی گرفت سے آزاد تھے یوں لہرا رہے تھے جیسے گاڑھا سا دھواں ہوا کے دباؤ سے بکھر رہا ہے۔

☆موٹر ہوا میں آرے کی طرح چلتی رہی۔

پہچان

☆کوئی دانے دار عورت ہو۔ اچھے گویئے کے گلے کی طرح اس میں بڑے بڑے دانے ہوں۔

☆پیڑوں کی طرح ان کے مکان ایک قطار میں دور تک دوڑتے چلے گئے ہیں، یہ رنگ برنگی عورتیں ان میں پکے ہوئے پھلوں کی مانند لٹکی رہتی ہیں۔

سنجیدگی اس کے چہرے پر ٹھٹھر سی رہی تھی۔

☆فخریہ آدمی کیسا ہے کوئی بات ہی نہیں کرتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاسٹر آئل پی کر بیٹھا ہے۔

☆ان کے مقابلے میں مشرقی عورتوں کو دیکھیے تو وہی فرق نظر آئے گا جو ہمارے یہاں کی ریوڑھی اور وہاں کی ٹافی میں ہے۔

☆ان میموں میں سے ایک جس کا چہرہ سرخی لگانے کے باعث زیادہ پکی ہوئی اینٹ کی سی رنگت اختیار کر گیا تھا۔

☆مروڑیاں اس کے ہاتھوں سے کچے فرش پر گر رہی تھیں اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا اناج رو رہا ہے اور یہ مروڑیاں اس کے آنسو ہیں۔

☆بڑی خوفناک عورت تھی اس کا منہ کچھ اس انداز سے کھلتا تھا جیسے لیموں نچوڑنے والی مشین کا کھلتا ہے۔

☆اس انداز سے اپنا ایک ہاتھ ہلا رہی تھی جیسے مکار دکاندار کی طرح ڈنڈی مارے گی اور کبھی پورا تول نہیں تولے گی۔

☆بدن کی ساخت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بڑی تیزی سے چلی ہوئی گاڑی ہے جو ایک دم رک گئی ہے اس کے پہیوں پر بریک لگ گئے ہیں اور وہیں کھڑے کھڑے اس کا رنگ وروغن دھوپ اور بارش میں اڑ گیا۔

☆میں اوور کوٹ کی جیبوں پہ ہاتھ ڈالے اوپر آسمان کی طرف دیکھتا رہا، جہاں نامکمل چاند بالکل اس زرد بیسوا لونڈیا کی طرح جس کے جسم کا نچلا حصہ قطعی طور پر غیر نسوانی تھا۔

بلاؤز

☆دھندلے دھندلے خیالات جو عام حالتوں میں بے آواز بلبلوں کی طرح پیدا ہو کر مٹ جایا کرتے ہیں، مومن کے دماغ میں بڑے شور کے ساتھ پیدا ہوتے اور شور ہی کے ساتھ پھٹتے۔

☆اس کے دل ودماغ کے نرم ونازک پردوں پر ہر وقت جیسے خاردار پاؤں والی چیونٹیاں سی رینگتی رہتی تھیں۔

☆ٹیسیں اٹھتیں جیسے جسم پھولوں سے لدے ہوئے پیڑ کی طرح زور سے ہلایا گیا ہو، کانپ جاتا۔

☆بنیان اٹھالیا جو پسینے کے باعث کچھ کچھ گیلا ہو رہا تھا جیسے کسی نے بھاپ پر رکھ کر فوراً ہی ہٹا لیا ہو۔

افسانوی مجموعہ: دھواں (دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۱ء)

ترقی پسند

☆اس کو ترپاٹھی کا وہ چرمی تھیلا نظر آیا جو حاملہ عورت کے پیٹ کی طرح پھولا ہوا تھا۔
☆اس کی کالی کالی زلفیں جن میں دیہاتی گیتوں کی سی روانی تھی۔
☆ترپاٹھی کے موٹے موٹے ہونٹ جب ترپاٹھی کی گھنی مونچھوں کے پیچھے ہلتے تو جوگندر ایسا محسوس کرتا کہ جھاڑیوں میں پرندے بول رہے ہیں۔
☆ترپاٹھی کا چرمی تھیلا جس کا پیٹ بنیوں کی توند کی طرح پھولا ہوا تھا۔
☆ترپاٹھی اب شام کو نیا افسانہ لکھ کر جب اسے سناتا تو جوگندر کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بہت سی مکھیاں اس کے کانوں کے پاس بھنبھنا رہی ہیں۔
☆اس نے جلدی سے اس کا یوں بوسہ لیا جیسے ڈاک خانے میں لفافوں پر مہر لگائی جاتی ہے۔
☆ ٹھٹھرے ہوئے آسمان پر تارے چمک رہے تھے جیسے پانی کی موٹی موٹی بوندیں جم کر موتی بن گئی ہیں۔

نیا سال

☆ کیلنڈر کا آخری پتا جو ڈیڑھ مربع انچ کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا اس کی پتلی انگلیوں میں یوں کانپ رہا تھا گویا سزائے موت کا قیدی پھانسی کے سامنے کھڑا ہے۔
☆اس کے سوکھے ہوئے حلق سے قہقہے آتشیں لاوے کی طرح نکلتے رہے۔
☆اگر سب لوگ مجھ سے محبت کرنا شروع کر دیں تو میں اس پہیے کی مانند ہو جاؤں جس میں اندر باہر اوپر نیچے سب جگہ تیل دیا گیا ہو۔
☆وہ اپنے مخالفین کی طرف یوں دیکھا کرتا تھا گویا وہ موٹر کے انجن میں لگے ہوئے پرزوں کو دیکھ رہا ہے۔
☆شام کو جب وہ بستر پر دراز ہوتا تھا تو ایسا محسوس کیا کرتا تھا کہ اس نے دن کو چوسی ہوئی گٹھلی کے مانند پھینک دیا ہے۔
☆وہ اپنے اصول پر اسی طرح قائم تھا جس طرح تند لہروں میں ٹھوس چٹان کھڑی رہتی ہے۔
☆ نئے سال کی آمد پر وہ خوش تھا جس طرح اکھاڑے میں کوئی نامور پہلوان اپنے نئے مدمقابل کی طرف خم ٹھونک کر بڑھتا ہے۔

لالٹین

☆زندگی کے اس کھوئے ہوئے ٹکڑے کو میں اس وقت زمانہ کے ہاتھ میں دیکھ رہا ہوں جو شریر بچے کی طرح مجھے بار بار اس کی جھلک دکھا کر اپنی پیٹھ پیچھے چھپا لیتا ہے۔
☆میں یہ کہانیاں صرف اس لیے لکھتا ہوں کہ مجھے لکھنا ہوتا ہے جس طرح آدھی شراب کو دن ڈھلے شراب خانہ کا رخ کرتا ہے ٹھیک اسی طرح میری انگلیاں بے اختیار قلم کی طرف بڑھتی ہیں۔
☆دنیا میں تو ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی زندگی چٹیل میدان کی طرح خشک ہے اور میری زندگی کے ریگستان پر تو ایک بار بارش ہو چکی ہے۔

☆جب ہوا کے جھونکے مکئی کے پودوں میں لرزش پیدا کر دیتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آسمان سے بہت سی پریاں ان قالینوں پر اتر آئی ہیں اور ہولے ہولے ناچ رہی ہیں۔
☆آسمان ہم پر مرتبان کے ڈھکنے کی طرح جھکا ہوا تھا اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ ہم کسی بند بوتل میں چل پھر رہے ہیں۔

گرم سوٹ

☆اگر آپ اس کے میلے پیروں کو دیکھتے تو یہی معلوم ہوتا کہ گنڈا سنگھ نے موزے پہن رکھے ہیں۔
☆داڑھی اور مونچھوں کے. بھوسلے بال اس کے چہرے کے دو تہائی حصے پر موبل آئل میں بھیگے ہوئے چیتھڑے کی طرح پھیلے رہتے ہیں۔
☆تولیے کی طرف دیکھا تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ منہ ہاتھ صاف کرنے کی بجائے کسی نے اس کے ساتھ سائیکل کی چین صاف کی ہے۔
☆بازاروں میں دھوپ پگھلی اگنی کی طرح پھیلی رہتی تھی۔
☆لک پھری سڑکیں توے کی مانند تپتی رہتی تھیں۔
☆کوٹ کا کالر گھسنے کے باعث بالکل ریگ مار کی صورت اختیار کر گیا تھا۔
☆وہ اپنی داستان بہت آہستہ آہستہ سنا رہا تھا جیسے خود بھی مزہ لے رہا ہو۔
☆چند لمحات قبر کی سی خاموشی میں گزر گئے۔

افسانوی مجموعہ؛ افسانے اور ڈرامے (لاہور: مکتبہ شعر و ادب، ۱۹۴۳ء)

شیرو

☆چڑیوں کی سفید بیٹیں سفیدی کے چھینٹوں کی مانند نظر آتی تھیں۔
☆کہیں کہیں لندن ٹائمز اور ٹریبیون اخبار کے ٹکڑے بھی لگے ہوتے تھے جن کا رنگ دھوئیں اور بارش کی وجہ سے خستہ بسکٹوں کی طرح بھوسلا ہو گیا۔
☆پہاڑیوں کے بیچ ٹیڑھی. بنگی مانگ کی طرح "کشتواڑ" اور "بھدر دہ" جانے والی سڑک بل کھاتی ہوئی چلی گئی۔

مس فریا

☆سہیل نے اسے گلی میں جنگلی بلی کی طرح نکمے چنوں پر خوانچے والے سے لڑتے جھگڑتے دیکھا تھا۔
☆وہ ماں بن جائے گی اور صابن کے جھاگ کی طرح اس کی تمام چلبلاہٹیں بیٹھ جائیں گی۔
☆وہ جب بھولی بھالی عائشہ کی طرف دیکھتا تو اسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ کسی مداری کے تھیلے کی طرف دیکھ رہا ہے۔
☆مس فریا نے اس روز کالے رنگ کی جالی دار ٹوپی پہن رکھی تھی جس میں تین چار شوخ رنگ کے پھندنے لگے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا کہ کیچڑ میں آلوچے گر پڑے ہیں۔

☆سہیل نے بڑے ہی خام انداز میں اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا جیسے وہ سٹیج پر عشقیہ پاٹ ادا کر رہا ہے۔
☆اس کے ہونٹ کچھ اس انداز سے باتیں کرتے وقت کھل رہے تھے کہ سہیل کو محسوس ہوا فریا کے چہرے پر منہ کی بجائے ایک زخم ہے جس کے ٹانکے ادھڑ رہے ہیں۔
☆مس فریا نے پنکھا میز پر رکھ دیا اور کہنیاں ٹیک کر سہیل کی طرف ان بلبلوں کی طرح دیکھنے لگی جو موسم بہار میں لوٹ کر اداس اداس آوازیں نکالا کرتی ہیں۔

آم

☆دیواریں توے کی طرح تپ رہی تھیں۔

تین تحفے

☆وہ آداب بجالائے بغیر بے پرواہ ہوا کی مانند پاس سے گزر گئی۔
☆مجھے ہاتھی دانت کی ایک کنگھی چاہیے جو میرے بالوں میں اس طرح غوطے لگائے جیسے کرنوں بھرے پانی میں ماہی گیروں کے جال۔
☆میں تیرے پیار کے لیے تیار رہا کروں گی جیسے سیپی سمندر کی گود میں بارش کے قطرے پینے کے لیے تیار رہتی ہے۔

غسل خانہ

☆اس کو دیکھ کر مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک رکی ہوئی ہنسی ہے۔

افسانوی مجموعہ: لذت سنگ (لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۴۷ء)

بو

☆کھڑکی کے باہر پیپل کے پتے رات کے دودھیالے اندھیرے میں جھمکوں کی طرح تھرتھرا رہے تھے اور نہا رہے تھے۔
☆اس انداز سے چلتی تھی گویا فٹ پاتھ پر تمام جانے والے اس کے قدموں کے آگے ٹاٹ کی طرح بچھتے چلے جائیں گے۔
☆اس کے سینے پر چھاتیوں کی یہ ابھار دیے معلوم ہوتے تھے جو تالاب کے گدلے پانی کے اندر جل رہے ہوں۔
☆اندھیرا تھا مگر اس میں دبی دبی دھندلی سی روشنی بھی سموئی ہوئی تھی جیسے بارش کے قطروں کے ساتھ لگ کر تاروں کی تھوڑی تھوڑی روشنی اتر آئی ہے
☆کیا ایسا نہیں لگتا جیسے میں نے ابھی ابھی کیلیں اکھاڑ کر اسے لکڑی کے بند باکس میں سے نکالا ہے کتابوں اور چینی کے برتنوں کی طرح کیونکہ جس طرح
☆کتابوں پر داب کے نشان ہوتے ہیں اور چینی کے برتنوں پر ملنے جلنے سے خراشیں آجاتی ہیں ٹھیک اسی طرح لڑکی کے بدن پر کئی جگہ ایسے نشان تھے۔
☆یہ گوری چٹی لڑکی جس کا جسم دودھ اور گھی ملے آٹے کی طرح ملائم تھا۔

جس طرح پھٹے ہوئے دودھ میں سفید سفید بے جان پھٹکیاں بے رنگ پانی میں ساکن ہوتی ہیں اسی طرح اس لڑکی کی نسوانیت اس کے وجود میں ٹھہری ہوئی تھی سفید سفید دھبوں کی صورت میں۔

دھواں

☆راہ چلتے آدمیوں کے منہ سے گرم گرم سماوار کی ٹونٹیوں کی طرح گاڑھا سفید دھواں نکل رہا تھا۔
☆موسم کچھ ویسی ہی کیفیت کا حامل تھا جو ربڑ کے جوتے پہن کر چلنے سے پیدا ہوتی ہے۔
☆ناک جو برف کی ڈلی معلوم ہوتی تھی۔
☆جب اس نے پاؤں سے دبانا شروع کیا ٹھیک اسی طرح جس طرح مزدور مٹی گوندھتے ہیں۔
☆سامنے کوٹھے کی دیوار پر ایک کبوترا اور ایک کبوتری پاس پر پھیلائے بیٹھے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں دم پخت کی ہوئی ہنڈیا کی طرح گرم ہیں۔
☆فضا میں نیندیں گھلی ہوئی تھی ایسی نیندیں. جن میں بیزاری زیادہ ہوتی ہے اور انسان کے ارد گرد نرم خواب یوں لپٹ جاتے ہیں جیسے اونی کپڑے۔
☆مگر یہ سردی ناخوشگوار نہیں معلوم ہوتی تھی تالاب کے پانی کی طرح یہ اوپر ٹھنڈی اور اندر گرم تھی۔

کالی شلوار

☆دھند لکے میں انجنوں کے منہ سے گاڑھا گاڑھا دھواں نکلتا اور گدلے آسمان کی جانب موٹے اور بھاری آدمیوں کی طرح اٹھتا دکھائی دیتا تھا۔
☆اس کے پاس کالی ساٹن کی شلوار تھی جو کاجل کی طرح چمکتی تھی۔
☆وہ کئی دنوں سے ایک ایسے خدار سیدہ فقیر کے پاس اپنی قسمت کھلوانے کی خاطر جا رہا ہے جس کے پاس اپنی قسمت کھلوانے کی خاطر جا رہا ہے جس کی اپنی قسمت زنگ لگے تالے کی طرح بند ہے۔

افسانوی مجموعہ: چغد (بمبئی: کتب پبلشرز، ۱۹۴۸ء)

ایک خط

☆جس کسی کو میں نے دل سے چاہا اس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا تو میری طبیعت بجھ گئی اور میں نے محسوس کیا کہ ریگستان میں ایک بھونرے کی مانند ہوں جسے رس چوسنے کے لیے حد نظر تک کوئی پھول نظر نہیں آسکتا۔

بابو گوپی ناتھ

☆کتنے آدمی اس غریب کے ساتھ جونک کی طرح چمٹے ہوئے تھے۔
☆زینت نے میری طرف بالکل معصوم کبوتری کی طرح دیکھا۔

میرا نام رادھا ہے

☆اگر راولپنڈی کی کوئی عورت آپ سے بات کرے تو ایسا لگتا ہے کہ لذیذ آم کا رس آپ کے منہ میں چوایا جا رہا ہے۔
☆بہن بھائی کا رشتہ کچھ اور ہے مگر کسی عورت کو اپنی بہن کہنا اس انداز سے جیسے یہ بورڈ لگایا جا رہا ہے کہ سڑک بند ہے یا یہاں پیشاب کرنا منع ہے بالکل دوسری بات ہے۔
☆نیلم کے بھنچے ہوئے ہونٹ ایک دھماکے کے ساتھ وا ہوں گے اور جس طرح برسات میں پہاڑی نالے بڑے بڑے مضبوط بند توڑ کر دیوانہ وار آگے نکل جاتے ہیں اسی طرح نیلم اپنے رکے ہوئے جذبات کے طوفانی بہاؤ میں ہم سب کے قدم اکھیڑ کر خدا معلوم کن گہرائیوں میں دھکیل لے جائے گی۔
☆اس کے ہونٹوں پر گہرے سرخ رنگ کی لپ اسٹک کچھ اس طرح پھیلی ہوئی تھی جیسے منہ سے خون نکل نکل کر بہتا رہا ہے اور پوچھا نہیں گیا۔
☆اسے ایک خطرناک جلتا ہوا بوسہ ملا وہ انجام رسیدہ عورت کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔
☆اس کا لہجہ اتنا ہی دبا ہوا تھا جتنا سرخ گرم کیے ہوئے لوہے کا جسے ہتھوڑے سے کوٹا جا رہا ہو۔

جانکی

☆مجید ایسا نوکر تھا جس کی موجودگی ویرانی میں اضافہ کرتی تھی۔
☆میں کم کھاؤں تو ایسا لگتا ہے میں کوئی بات کہنا بھول گئی ہوں۔
☆اس کی ہنسی بالکل الگ قسم کی تھی، بیچ بیچ میں گھنگرو سے بجتے تھے۔
☆وہ زخم کی طرف اس طرح دیکھے گا جیسے کوئی بڑا شیر نظر آ گیا ہے۔
☆اس کے لہجے میں کسی جذبے کا اظہار نہیں تھا بس ایسا تھا جیسے ٹائپ مشین سے اخبار کی ایک سطر ڈھل کر باہر نکل آئے۔

پانچ دن

☆سینیٹوریم ایک مرتبان سا لگتا ہے جس میں یہ مریض پیاز کی طرح سرکے میں ڈوبے ہوئے ہیں، ایک کانٹا آتا ہے جو پیاز اچھی طرح گل گئی ہے اسے ڈھونڈتا ہے اور نکال کر لے جاتا ہے۔
☆یہ کال، قحط، جنگ اور بیماریاں سب واہیات ہیں ان سے مر جانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے اوپر سے چھت آ گرے۔
☆کچھ اتنا زیادہ گھورتے تھے جیسے برمے سے اس کے اندر سوراخ کر رہے ہیں۔
☆وہ جو کہ بیمار تھا اس کو آسائش و آرام پہنچانے میں کچھ اس بے کلی سے مصروف رہا جیسے ڈاک جانے والی ہے اور وہ جلدی جلدی ایک خط میں جو بات اس کے ذہن میں آتی ہے لکھتا جا رہا ہے۔
☆کاش مجھ میں اتنی ہمت ہوتی کہ اپنے اس اونچے کریکٹر کو ایک لمبے بانس پر لنگور کی طرح بٹھا دیتا اور ڈگڈگی بجا کر لوگوں کو اکٹھا کرتا کہ آؤ، دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔

افسانوی مجموعہ: ٹھنڈا گوشت (لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۰ء)

ٹھنڈا گوشت

☆ایشر سنگھ نے دونوں ہاتھوں سے کلونت کی قمیض کا گھیرا پکڑا اور جس طرح بکرے کی کھال اتارتے اسی طرح اس کو اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔
☆کلونت کور تیز آنچ پر چڑھی ہوئی ہانڈی کی طرح ابلنے لگی۔
☆میان کو کیلے کے چھلکے کی طرح اتار کر ایک طرف پھینکا اور ایشر سنگھ پر وار کر دیا۔

ساڑھے تین آنے

☆ یہ حقیقت اتنی بار دہرائی جا چکی ہے کہ اس پر زور دینے سے آدمی کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی محفل میں ہزار بار کا سنایا ہوا لطیفہ بیان کر رہا ہے۔
☆اس کی چھوٹی چھوٹی مخمور آنکھیں جو قاتل کی آنکھیں لگتی تھیں چمکیں۔

پیرن

☆ پھر ایک دم پلٹی گا گراس کی بغل سے پھسل اور فرش پر اڑکنے لگی ایسی بھاگی جیسے کوئی شیر اس کا تعاقب کر رہا ہے۔
☆ یہ میری دوست پیرن تھی جس کی ناک کیمرے میں اس طرح گھستی ہے جیسے تیر۔

خورشٹ

☆ وہ یہ تعریفی کلمات یوں سن رہا تھا جیسے ریڈیو سے خبریں۔

افسانوی مجموعہ؛ خالی بوتلیں خالی ڈبے (لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۰ء)

رام کھلاون

☆لوگ اندھا دھند بھاگنے لگے ایسا معلوم ہوا جیسے سانڈوں کی لڑائی ہو رہی ہے۔

شانتی

☆اس میں بچپنا تھا نہ بڑھاپا۔ شباب بھی نہیں تھا۔ وہ جیسے کچھ بنتے بنتے ایک دم رک گئی تھی۔ ایک ایسے مقام پر ٹھہر گئی تھی جس کے موسم کا تعین نہیں ہو سکتا۔
☆اس کا سینہ جس کے متعلق مقبول نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا جیسے گہری نیند سے اٹھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

خالد میاں

☆ممتاز کی باہوں میں خالد ایسے بل کھا رہا تھا جیسے کوئی اسے کپڑے کی طرح نچوڑ رہا ہے۔

دو قومیں

☆پانی کی ننھی ننھی بوندنیاں ایسی لگتی تھیں جیسے اس کا بدن پگھل کر قطرے قطرے بن کر گر رہا ہے۔

☆لڑکی کے نچلے ہونٹ کے اختتامی کونے پر بڑا سا تل تھا۔۔۔بے حد متین بے حد سنجیدہ جیسے وہ اپنے وجود سے بے خبر ہے لیکن دوسرے اس کے وجود سے آگاہ ہیں صرف اس حد تک کہ اسے وہیں ہونا چاہیے تھا جہاں کے وہ تھا۔

☆مختار نے اس کو روکا" ٹھہرو شاردا"۔ شاردا کو جیسے بجلی کے کرنٹ نے چھو لیا۔ چونک کر رک گئی۔

مجید کا ماضی

☆بڑے بڑے ہونٹ لیکن بڑے طوطے ایسی ناک۔

☆وہ میاں بیوی جو اس نے دادر اسٹیشن پر دیکھے تھے، آپس میں کتنے خوش تھے۔ کبوتر اور کبوتری کی طرح گھٹک رہے تھے۔

حامد کا بچہ

☆بابو ہر گوپال نے حامد سے کچھ کہا تو وہ چونک پڑا جیسے اس کو کسی نے جھنجوڑ کر جگا دیا ہے۔

☆اس کے ملائم جسم کا لمس جیسے ایک دم چھال کی طرح اتر کر اس سے جدا ہو گیا۔

لائسنس

☆اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں جیسے بارش کے بعد چلچلاتی دھوپ نے زمین کی ساری نمی چوس لی تھی۔

کتاب کا خلاصہ

☆یہ لڑکی تو ایسی ہے جیسے کسی کتاب کا خلاصہ۔

☆کتاب اس طرح مانگتی ہے جیسے کوئی مدد مانگ رہی ہے۔

☆بملا اور زیادہ مرجھائی ہوئی تھی اور زیادہ مختصر ہو گئی تھی جیسے کسی نے رندہ پھیر کر اس کو ہر طرف سے چھوٹا اور پتلا کر دیا ہے۔

☆اس کی جیتی جاگتی چھاتیاں آبنوسی گولوں کی صورت میں اس کے سفید شفون کے دوپٹے کے پیچھے بڑا دلکش تضاد پیدا کر رہی تھیں ایسا لگتا تھا جیسے سیاہ بٹوں پر ان کی چمک چھپانے کے لیے کسی مکڑی نے مہین سا جالا بن دیا ہے۔

ٹوٹو

☆ٹیلی فون ضدی بچے کی طرح چلائے جارہا تھا۔

افسانوی مجموعہ: نمرود کی خدائی (لاہور: نیاادارہ، ۱۹۵۰ء)

سوراج کے لیے

☆دل و دماغ میں ایک عجیب قسم کی کھد بد رہتی تھی بالکل ویسی ہی جیسی فلاش کھیلنے کے دوران دو پان میں رہا کرتی ہے۔
☆ایک دھاندلی تھی مگر اس دھاندلی میں ایک آتشی انتشار تھا، لوگ شعلوں کی طرح بھڑکتے تھے، بجھتے تھے پھر بھڑکتے تھے۔
☆زرد چہرے، دھنسی ہوئی آنکھیں مرعوب جسم، گائے کے نچڑے ہوئے تھنوں کی طرح بے حس اور بے جان۔
☆ایک دم اس کی قوت گویائی جواب دے گئی جیسے آدمی شراب کے نشے میں بغیر کسی حساب کے نوٹ نکالتا جائے اور ایک دم بٹوا خالی پائے۔
☆لوگوں پر عجیب قسم کی تھکاوٹ طاری تھی جیسے ایک لمبی دوڑ میں اچانک دوڑنے والوں سے کہہ دیا گیا تھا "ٹھہرو! یہ دوڑ پھر سے شروع ہو گی"۔
☆زندگی بالکل سوکھے ہوئے چھچھڑے کی صورت اختیار کر گئی تھی۔

ڈارلنگ

☆مومی کپڑا ابھی کچھ عجیب ہوتا ہے جیسے بوڑھے گوشت میں چکنی چکنی جھریاں پڑی ہوں۔

بدتمیز

☆وہ کارل مارکس کا نام اس طرح لیتا ہے جس طرح لوگ اپنے قریبی رشتہ دار میونسپل کمشنروں کا لیتے ہیں۔

عزت کے لیے

☆ہر بنس کا رنگ ہلدی کے گھابے کی طرح زرد تھا۔

شریفن

☆گنڈاسا ہاتھ میں لیے قاسم سنسان بازاروں میں ابلتے ہوئے لاوے کی طرح بہتا چلا جارہا تھا۔
☆ قاسم نے کچھ ایسے بے تکے پن سے حملہ کیا اور ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ تیز طوفان میں اکھڑے ہوئے درخت کی طرح زمین پر آرہا۔
☆ قاسم کی رگوں میں اس کا خون اور زیادہ گرم ہو گیا اور بجنے لگا تڑتڑ جیسے جوش کھاتے ہوئے تیل پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا پڑ جائے۔

☆ ننگی شریفن کی تصویر اس کی آنکھوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر گئی۔

☆ دھجیاں اور چندیاں یوں اڑنے لگیں جیسے کوئی روئی دھنک رہا ہے۔

ہرنام کور

☆ اس کی جوانی میں دراصل ایک کرپان کی سی تیزی تھی۔

☆ وہ بجلی کی سی تیزی سے مچھلی کی طرح تڑپ کر الگ ہو گئی۔

☆ اپنی چار لڑکیوں کا دھیان رکھا جو بچھریوں کی طرح ہر وقت آنگن میں کدکڑے لگاتی رہتی ہیں۔

شہید ساز

☆ ریل گاڑی کے کنڈم مال کی طرح یا تو کسی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں پڑے ہیں یا بازاروں میں بے مالک وحشیوں کی طرح منہ اٹھائے بے مطلب گھوم رہے ہیں۔

☆ جونہی اس نے ٹرین کی آواز سنی، ہوش میں آ گئی اور کوک بھرے کھلونے کی طرح اٹھ کر بھاگ گئی۔

☆ ایک آدمی کو جس کا وجود چھکڑے کے پانچویں پہیے کی طرح بے معنی اور بے کار تھا، جام شہادت پلانے کے لیے مجھے پورے دس دن جگہ جگہ کیلے کے چھلکے گرانے پڑے۔

افسانوی مجموعہ: بادشاہت کا خاتمہ (لاہور: مکتبہ اردو، ۱۹۵۱ء)

تقی کاتب

☆ بات کرتے وقت اس کا ایک بازو ہلتا تھا جیسے کلاک کا پنڈولم۔

☆ وہ اس طرح پیار کرتا ہے جس طرح کوئی حاسد عاشق اپنے معشوق سے کرتا ہے۔

والد صاحب

☆ صاف ستھری لڑکی البتہ ضرور ہے لانڈری سے تازہ تازہ آئی ہوئی شلوار کی طرح۔

پری

☆ اس کی سفیدی بے جان سی ہو گئی تھی جس طرح مولی ٹھنڈی ہوتی ہے۔

☆ اس کے سرخی لگے ہونٹوں پر جو اس کے سفید ٹھنڈے چہرے پر ایک دہکتا ہوا انگارہ سے لگتے تھے۔

☆اس سے ہاتھ ملاتے وقت اسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس کا ہاتھ کسی لاش نے پکڑ لیا ہے۔

افسانوی مجموعہ: یزید (لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۱ء)

یزید

☆کریم داد سے اس بارے میں پوچھا جاتا کہ مخالف قوتوں کے مقابلے میں ہتھیار ڈالنا کیا وہ اپنی یا مرد کی توہین سمجھتا ہے تو وہ یقیناً سوچ میں پڑ جاتا ہے جیسے آپ نے اس سے حساب کا کوئی بہت ہی مشکل سوال کر دیا ہے۔

☆اس کا شہتیر جیسا کڑیل جوان بھائی بلووں میں مارا گیا تھا۔

گورمکھ سنگھ کی وصیت

☆گپ اندھیرے میں آگ کے بڑے بڑے شعلے اٹھتے جیسے دیو ہیں جو اپنے منہ سے آگ کے فوارے چھوڑ رہے ہیں۔

☆اس نے بشارت کی طرف دیکھا جس کا چہرہ کاغذ کی طرح سفید ہو گیا تھا۔

آخری سیلوٹ

☆صوبے دار رب نواز کا دماغ ایسی بندوق بن گیا تھا جس کا گھوڑا خراب ہو گیا ہو۔

☆دور نیچے ایک کھائی سے گالیوں کا شور اٹھا پہلے تو وہ گھبرا گیا ایسا لگتا تھا کہ بہت سے بھوت مل کر ناچ رہے ہیں اور زور زور سے قہقہے لگا رہے ہیں۔

☆چڑھائی کی طرف کوئی پہاڑی درختوں اور بوٹوں سے لدی پھندی ہوتی تھی اور اترائی کی طرف گنجی کشمیری ہتو کے سر کی طرح۔

ٹیٹوال کا کتا

☆جب پہاڑیوں میں کسی فائر کی آواز گونجتی تو چہچہاتے ہوئے پرندے چونک کر اڑنے لگتے جیسے کسی کا ہاتھ ساز کے غلط تار سے جا ٹکرایا ہے اور ان کی سماعت کو صدمہ پہنچانے کا موجب ہوا ہے۔

☆ستمبر کا انجام اکتوبر کے اغاز سے بڑے گلابی انداز میں بغل گیر ہو رہا تھا ایسا لگتا تھا کہ موسم سرما اور گرم میں صلح صفائی ہو رہی ہے۔

☆نیلے نیلے آسمان پر دھنکی ہوئی روئی ایسے پتلے پتلے اور ہلکے ہلکے بادل یوں تیرتے تھے جیسے اپنے سفید بجروں میں تفریح کر رہے ہیں۔

☆درمیان میں چھوٹی سی سبز پوش وادی تھی جس کے سینے پر ایک نالہ موٹے سانپ کی طرح لوٹتا رہتا تھا۔

☆ایک کے پیچھے ایک بازگشت صدائیں گونجتیں تو ایسا لگتا کہ پہاڑیاں آموختہ دہرا رہی ہیں۔

نکی

☆گھر میں پہاڑ سی جوان بیٹی کنواری بیٹھی تھی۔

ممی

☆وہ ایسی فضول باتوں میں دماغ خرچ کرنا ایک ایسی انڈور گیم سمجھتا تھا جو لڈو سے کئی گنا لایعنی ہے۔
☆میں نے اپنے گلاس میں رم ڈالی جس کا ذائقہ بسے ہوئے گڑ کی طرح تھا۔
☆چڈے نے جیب کترے کے کدو ایسے سر پر ایک دھول جمائی۔
☆لٹیں ننھی ننھی سنپولیاں معلوم ہوتی ہیں جو لوٹ لگا رہی ہوں۔
☆اندھے سانپ کے ننھے ننھے کھپروں جیسے رنگ والے بال۔
☆ڈرائنگ روم میں غریب نواز، رنجیت کمار اور چڈا بیٹھے تھے ایسا لگتا تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کی ماں باہر کھلونے لینے گئی ہے۔
☆اس کی نگاہ سب پر تھی اس بلی کی طرح جو بظاہر آنکھیں بند کیے ستاتی مگر اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو پانچ بچے کہاں کہاں ہیں۔
☆اس کا سفید چہرہ نقرئی بادلوں میں گھرا ہوا بارش کے قطرے کی طرح لرز رہا تھا۔
☆اپنی بیماری کا اس نے اس انداز میں ذکر کیا جس طرح آدمی سائیکل کے معمولی حادثے کا ذکر کرتا ہے۔

☆ان محفلوں میں رندی تھی، بلانوشی تھی، جنسیاتی رنگ تھا مگر کوئی الجھاو نہ تھا ہر چیز حاملہ عورت کے پیٹ کی طرح قابل فہم تھی اسی طرح ابھری ہوئی بظاہر اس طرح کڈھب بینڈی اور دیکھنے والے کو گومگو کی حالت میں ڈالنے والی مگر اصل میں بڑی صحیح، باسلیقہ اور اپنی جگہ پر قائم۔
☆چڈے کی آنکھوں میں آنسو اس طرح تیر رہے تھے جس طرح مقتولوں کی لاشیں۔

افسانوی مجموعہ: سڑک کے کنارے (لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۵۳ء)

شاداں

☆تینوں کی عمر جیسا کہ ظاہر ہے اس دور سے گزر رہی تھی جبکہ ہر آس پاس کی چیز کھلونا معلوم ہوتی ہے حادثے بھی یوں آتے ہیں جیسے ربڑ کے اڑتے ہوئے غبارے۔
☆اس میں جوانی زیادہ نمایاں تھی جیسے جوانی نے اپنی شوخیوں. پر لال پنسل کے نشان لگا دیے ہیں۔
☆وہ زیادہ بن ٹھن کے رہتی تھی اگر وہ پہلے کوری ململ تھی تو اب ایسا لگتا تھا اسے کلف لگا ہوا ہے مگر یہ کلف بھی کچھ ایسا تھا جو ململ کے ساتھ انگلیوں میں چنا نہیں گیا تھا۔

لتیکا رانی

☆اس کے چہرے مہرے اور اس کے ناز نخرے میں ان کو ایسی کشش نظر آتی تھی کہ وہ گھنٹوں اس کی روشنی میں مبہوت مکھیوں کی طرح بھنبھناتے رہتے تھے۔
☆وہ کرداروں کے خول میں یوں سما جاتی تھی جیسے گلاس میں پانی۔
☆اس کے سراپا میں یوں سمجھیے کہ دوشیزگی کا خلاصہ ہو گیا تھا۔
☆وہ حرارت جو اس کی خلا میں دیکھنے والی آنکھوں میں ہے اس کی آغوش میں نہیں تھی، لتیکا کے لیے بالکل ایسی تھی جیسی کھری چارپائی۔
☆وہ کامیابیاں جو مستقبل کی کوکھ میں چھپی ہوئی تھیں کھلی ہوئی کتاب کے اوراق کے مانند اس کے سامنے تھیں۔
☆اب وہ آم کی چوسی ہوئی گٹھلی کی مانند ہے جس میں وہ رس نہیں رہا جس سے وہ اتنی دیر امرت حاصل کرتی رہی تھی۔

نطفہ

☆زندگی میں تم جس کو بھی شریک بناؤ اٹیچی کیس کی طرح ہونی چاہیے جس کو تم ہاتھ میں اٹھا کر چلتے بنو یا اسے وہیں چھوڑ دو۔
☆آسمان اس کی آنکھوں کی طرح ایسا ہی نیلا تھا جیسا کہ آج ہے دھلا ہوا نتھرا ہوا، دھوپ بھی ایسی ہی کنکنی، سہانے خوابوں کی طرح۔
☆میرے سینے کی گولائیوں میں مسجدوں کے محرابوں ایسی تقدیس کیوں آ رہی ہے۔

سراج

☆ایسا لگتا تھا کہ وہ ایک صراحی ہے جس میں اس کے حجم سے زیادہ پانی ملی ہوئی شراب بھرنے کی کوشش کی گئی ہے اور نتیجے کے طور پر یہ سیال چیز دباؤ کے باعث ادھر ادھر تڑپ کر بہہ گئی ہے۔
☆اس کی پتلی پتلی نوکیلی انگلیاں جو نقشہ نویسوں کی پنسلوں کی طرح تیز تھیں۔
☆اندر سے ایک بڑھیا نکلی جیسے پرانی داستانوں کے کرم خوردہ انبار سے کوئی کٹنی لاٹھی ٹیکتی ہوئی۔
☆وہ خوبصورت تھی، سکڑی ہوئی خوبصورتی، حنوط لگی خوبصورتی، صدیوں کی محفوظ و مامون اور مدفون کی ہوئی خوبصورتی۔
☆اس کا سفید بیضوی چہرہ نکھرا ہوا تھا اور اس پر اس کی بڑی بڑی انکھیں دو گرے ہوئے سگنل معلوم ہوتی تھیں۔

سو کینڈل پاور کا بلب

☆سر جھاڑ منہ پھاڑ ایک دوسرے کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی جیسے بیوہ عورتیں۔
☆وہ عورت ایک دم یوں اٹھی جیسے آگ دکھائی ہوئی چھچھوندر اٹھتی ہے۔
☆اس کی آنکھیں سرخ بوٹی ہو رہی تھی جیسے ان میں مرچیں ڈالی گئی ہوں۔

خدا کی قسم

☆دکھ ایک ایسا چوک ہے جو اپنے ارد گرد لاکھوں بلکہ کروڑوں سڑکوں کا جال بن دیتا ہے۔

موذیل

☆اس کا رنگ گورا تھا مگر کورے لٹھے کی طرح اور بدن چکنا تھا جس طرح مرسی رائزڈ کپڑے کی سطح ہوتی ہے۔
☆ہونٹوں پر لپ اسٹک یوں جمی تھی جیسے گاڑھا خون۔
☆ہونٹ اتنے موٹے نہیں تھے مگر گہرے اور عنابی رنگ کی لپ اسٹک کچھ اس انداز سے لگائی گئی تھی کہ وہ موٹے بھینسے کے گوشت کے ٹکڑے معلوم ہوتے تھے۔
☆جب ترلوچن نے اٹھنے کی کوشش کی تو وہ بوکھلاہٹ میں کچھ اس طرح موذیل سے الجھا جیسے وہ صابن کی طرح اس کے سارے بدن پر پھر گیا ہے۔
☆اس نے موذیل کی طرف دیکھا جو دھوئے دیدے کی طرح ٹنگی کھڑی تھی۔
☆ترلوچن بڑی الجھن محسوس کر رہا تھا جیسا کنگھا کرتے کرتے اس کی داڑھی کے بال آپس میں الجھ گئے ہیں۔
☆موذیل کے ہونٹوں پر لپ اسٹک باسی گوشت کی طرح معلوم ہوتی تھی۔
☆وہ مسکرائی تو ترلوچن نے ایسا محسوس کیا کہ اس کے گاؤں میں جھٹکے کی دکان پر قصائی نے چھری سے موٹی رگ کے گوشت کے دو ٹکڑے کر دیے ہیں۔

صاحب کرامات

☆اس کی زندگی سوکھا ہوا نیچہ سی بن کے رہ گئی تھی۔
☆دو انگلیوں سے یوں بنی کھولتا جیسے کرتے کا بٹن کھولتے ہیں۔

افسانوی مجموعہ: سرکنڈوں کے پیچھے (دہلی: حالی پبلشنگ ہاوس)

بلونت سنگھ مجیٹھا

☆برقع جو اس نے کبھی اتارا نہیں تھا کیلے کے چھلکے کی طرح اتار کر ایک طرف پھینکا۔

آنکھیں

☆یہ آنکھیں بالکل ایسی ہی تھیں جیسے اندھیری رات میں موٹر کار کی ہیڈ لائٹس جن کو آدمی سب سے پہلے دیکھتا ہے۔
☆میں نے جب اس کا ہاتھ پکڑ کر تانگے میں بٹھایا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میری آنکھیں ایکس ریز کا شیشہ بن گئی ہیں۔

جاؤ حنیف جاؤ

☆ٹی ہاؤس کی فضا وہاں کی چائے کی طرح گرم تھی۔

شادی

☆ جمیل چاہتا تھا کہ ایسی لڑکی ملے جو مرمت شدہ مکان معلوم نہ ہو جس کو دیکھ کر یہ احساس نہ ہو کہ جگہ جگہ اکھڑے ہوئے پلستر کے ٹکڑوں پر بڑے اناڑی پن سے سرخی اور چونا لگایا گیا ہے۔

☆وہ سوچتا تھا کہ ان عورتوں کے پاس کون آتا ہے جو سور کے سوکھے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔

اللہ دتا

☆وہ تو ایسی کشتی کے مانند تھی جس کے بادبان ہو نہ کوئی پتوار اور بیچ منجدھار کے آن پھنسی ہو۔

وہ لڑکی

☆اس کی بنیان اس کے جسم کے ساتھ بہت بری طرح چمٹی ہوئی تھی وہ کچھ اس طرح محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے بدن پر کسی نے وہ موبل آئل مل دیا ہے۔

☆وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ (ادھیڑ عمر نو کرانیاں) اس لڑکی کے مقابلے میں ڈھیلی ڈھالی تھی جیسے برسوں کی استعمال کی ہوئی سائیکلیں۔

محمودہ

☆ بال تختیوں پر لکھنے والی سیاہی کی مانند کالے اور چمکیلے تھے۔

ممد بھائی

☆اس کی مونچھوں کا ایک ایک بال کھڑا تھا جیسے خارپشت کا۔

حسن کی تخلیق

☆ہر وقت نیم کی بنولی بنی رہتی تھی۔

افسانوی مجموعہ: پھندنے (لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۵ء)

پھندنے

☆اس کی آنکھیں بہت موٹی تھیں اگر گلا زور سے گھونٹا جاتا تو وہ ذبح کیے ہوئے بکرے کی آنکھوں کی طرح باہر نکل آتیں۔

☆اس کے عروسی لباس کا ڈیزائن بھی اس نے تیار کیا تھا اس نے کئی ہزار سمتیں پیدا کر دی تھیں عین سامنے سے دیکھو تو وہ مختلف رنگ کے اوزار بندوں کا بنڈل معلوم ہوتی تھی، ذرا ادھر ہٹ جاؤ تو پھلوں کی ٹوکری تھی، ایک طرف ہو جاؤ تو کھڑکی پر پڑا ہوا پھلکاری کا پردہ، عقب میں چلے جاؤ تو کچلے ہوئے تربوزوں کا ڈھیر، ذرا زاویہ بدل کر دیکھو تو ٹماٹر ساس کا بھرا ہوا مرتبان، اوپر سے دیکھو تو یگانہ آرٹ، نیچے سے دیکھو تو میرا جی کی مبہم شاعری۔

مس مالا

☆ بھٹساوے برآمدے میں ٹہل رہا تھا کچھ اس انداز کے ساتھ جیسے بھڑوں کے پورے چھتے کے ڈنک اس کے جسم میں کھبے ہوئے ہیں۔

دودا پہلوان

☆صلاحوں کی وہ اس طرح خدمت کرتا تھا جس طرح پرانے قصے کہانیوں کے وفادار نوکر ہوتے ہیں۔

☆ہرنی کی سی آنکھیں جن میں خدا نے اپنے ہاتھ سے سرمہ لگایا تھا۔

مسٹر معین الدین

☆لاکھوں انسانوں کا خون فرقہ وارانہ فسادات میں پانی کی طرح بہہ گیا۔

☆وسکی کے دو پیگ آہستہ آہستہ پیتے تھے جیسے کوئی قرض ادا کر رہے ہیں۔

منظور

☆ رنگ اس کا ہلدی گانٹھ کی طرح زرد تھا۔

☆ناک کا بال برف کی ڈلی۔

☆ باتیں اس کے منہ سے بلبلوں کی طرح نکلتی تھی۔

مس اڈنا جیکسن

☆ پانچ بجنے والے ہوتے تو اس کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ مجسم گھڑی بن گئی ہے۔

افسانوی مجموعہ: بغیر اجازت (لاہور: ظفر برادرز، ۱۹۵۵ء)

سونے کی انگوٹھی

☆وہ عورتیں نہیں سلیٹیں ہیں جن پر کوئی بھی چند حروف یا لمبی چوڑی عبارت لکھ کر مٹا سکتا ہے۔

مسٹر حمیدہ

☆اس کے سارے جسم پر تیز تیز نوکیلے بال یوں رینگ رہے تھے جیسے خار دار چیونٹیاں۔

قدرت کا اصول

☆دو تین برسوں کے بعد یہ قمیض ایسے غائب ہوئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

سنترپنچ

☆تمہاری ہر وقت شگفتہ رہنے والی طبیعت ٹھہرے پانی کی طرح ٹھہر گئی ہے۔

اب اور کہنے کی ضرورت نہیں

☆"لیکن تمہارا کیا بھروسہ ہے" امین کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کو کسی نے ماں بہن کی گالی دی ہے۔

افسانوی مجموعہ: برقعے (لاہور: ظفر برادرز، ۱۹۵۵ء)

گھوگا

☆وہ اس قدر مختصر تھی کہ اسے کوئی بھی اپنے بٹوے میں ڈال سکتا تھا۔
☆گہرا سانولہ رنگ ہر عضو ایک خلاصہ اور خدوخال تمہید کی فوری تمت۔
☆وہ شعر تھی نہ رباعی نہ قطعہ البتہ استاد امام دین کی تک بندی معلوم ہوتی تھی۔

تیقن

☆اغوا تو ایک بڑا رومینٹک فعل جس میں مرد اور عورتیں دونوں شریک ہوتے ہیں یہ تو ایک ایسی کھائی ہے جس کو پھاندنے سے پہلے دونوں روحوں کے سارے تار جھنجھنا اٹھتے ہیں۔

چودھویں کا چاند

☆ان کی زندگی ان ٹرام کاروں کی طرح ہے جو ہمیشہ ایک ہی پٹڑی پہ چلتی رہتی ہیں جب کنڈم ہو جاتی ہیں تو انھیں محض لوہا سمجھ کر کسی کباڑی کے پاس فروخت کر دیا جاتا ہے۔

☆وضع قطع کے اعتبار سے وہ کسی بیمہ کمپنی کا ایجنٹ معلوم ہوتا تھا۔

☆وہ میری شکل دیکھتے ہی جنگلی ہرنوں کی طرح قلانچیں بھرتا دوڑ گیا۔

باردہ شمالی

☆تمہارے گوگلز بڑے واہیات ہیں اسے لگا کر تم ایسے دکھائی دیتی ہو جیسے روشن دان اندھیری رات بن گیا ہے۔

☆تمہاری بش شرٹ مجھے پسند نہیں کیونکہ اس کا ڈیزائن بہت بے ہودہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئس کریم میں کیڑے مکوڑے چل رہے ہیں۔

افسانوی مجموعہ: شکاری عورتیں (لاہور: ظفر برادرز، ۱۹۵۵ء)

میرٹھ کی قینچی

☆چھوٹی آستینوں والے پھنسے پھنسے بلاؤز پہ اس کی ننگی باہیں، ہاتھی کے دانتوں کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ سفید، سڈول اور متناسب۔

☆خوبصورت جلد میں ایسی چکنی چمک تھی جو دلو لکڑی پر رندہ پھیرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

☆سفید یا ہلکے رنگ کی ساری میں ملبوس کسی صابن کا اشتہار معلوم ہوتی۔

☆جب کوئی عورت یا لڑکی نئی ایکٹرس بنتی ہے تو اس کو کوئی نہ کوئی دبوچ لیتا ہے جیسے کہ وہ کوئی گیند ہے جسے بلے کے ساتھ کسی نے ہٹ لگائی فیلڈ میں کھلاڑی اس میں ہیں کہ وہ ان کے ہاتھوں میں چلی جائے۔

شکاری عورتیں

☆اس کی چال بڑی انوکھی تھی ایسا لگتا تھا کہ وہ فلم کا منظر نامہ لکھ رہی ہے۔

☆اس کا جسم ایسا معلوم ہوتا تھا شکر قندی کی طرح بھوبل میں ڈال کر باہر نکالا گیا ہے۔

حجامت

☆مردوں کے سروں پر بالوں کے چھتے بھڑوں کے چھتے معلوم ہوتے ہیں۔

افسانوی مجموعہ: رتی، ماشہ، تولہ (لاہور: ظفر برادرز، ۱۹۵۵ء)

جھمکے

☆چرنجی بالکل خاموش ہے جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہے۔

☆میں تو گھڑی کے بغیر رہ نہیں سکتا اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایسا چھکڑا ہوں جس میں کوئی پہیہ نہیں۔

رتی، ماشہ، تولہ

☆اس کی سیڑھیاں اترتے ہوئے یوں محسوس ہوتا کہ ہر زینہ کنگھی کا ایک دندانہ ہے جو اترتے ہوئے ایک ایک کر کے ٹوٹ رہا ہے۔

ملاقاتی

☆کیا عورتیں اتنی ہی کمزور کرداروں کی ہیں کہ ہر مرد کے آگے پاانداز کی طرح بچھ جائیں۔

افسانوی مجموعہ: انار کلی (لاہور: مکتبہ شعر و ادب)

انار کلی

☆اس کا یہ فلسفہ تھا کہ عورت رو رہی ہو تو بہت حسین ہو جاتی ہے اس کے آنسو شبنم کے قطروں کی مانند ہوتے ہیں جو مرد کے جذبات کے پھولوں پر ٹپکتے ہیں۔

ایک زاہدہ ایک فاحشہ

☆وہ مجھ سے باتیں کرتا تو مجھے یوں محسوس ہوتا کہ وہ دہقانی دوشیزہ ہے جس نے پہلی دفعہ کوئی عشقیہ فلم دیکھی ہے۔

بڈھا کھوسٹ

☆تم نہ صرف نادان ہو بلکہ درجہ اول بناسپتی گھی کی طرح درجہ اول چغد بھی ہو۔
☆اس کی انگلیاں اتنی موٹی ہوں گی جیسے کسی درخت کی ٹہنی۔
☆اس کی انگلیاں تم یہ سمجھ لو کہ چغتائی کی بنائی تصویروں کی طرح مخروطی لانبی نہیں مگر پتلی پتلی تھیں۔

حوالہ جات

۱۔ سعادت حسن منٹو۔ بادشاہت کا خاتمہ۔ دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۸۴ء۔ ص ۹۶

۲۔ سعادت حسن منٹو۔ منٹو کے افسانے۔ لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۴۴ء۔ ص ۴۲

۳۔ ایضاً۔ ص ۷۵

۴۔ طاہرہ اقبال۔ منٹو کا اسلوب۔ لاہور: فکشن ہاوس، ۲۰۱۲ء۔ ص ۱۹۸

۵۔ سعادت حسن منٹو۔ آتش پارے۔ لاہور: اردو بک سٹال، ۱۹۳۶ء۔ ص ۱۰۳

۶۔ سعادت حسن منٹو۔ دھواں۔ دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۸۱ء۔ ص ۱۰۳

۷۔ سعادت حسن منٹو۔ سڑک کے کنارے۔ لاہور: نیا ادارہ، بار سوم، سن ندارد۔ ص ۱۳۳

۸۔ سعادت حسن منٹو۔ نمرود کی خدائی۔ لاہور: مکتبہ اردو ادب، سن ندارد۔ ص ۱۴۴

۹۔ سید وقار عظیم۔ منٹو کا فن۔ نئی دہلی: اعجاز پبلشنگ ہاوس، ۱۹۸۲ء۔ ص ۳۹